حالات وواقعات

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

[یہ عمرہ کے سفر کی کچھ روداد ہے۔ اس کا اگر کوئی فائدہ ہو تو اس کا ثواب برادرِ عزیز
حسان نعمانی کے حساب میں کہ یہ تحریر محض ان کی فرمائش پر ہے۔]

بسم اللہ حمداً وّ سلاماً

چالیس برس ہوتے ہیں جب شمالی برطانیہ کے شہر ڈیوز بری میں سکونت پذیر محترم مولانا یعقوب قاسمی زید مجدہم نے راقم کی صحت کے حوالہ سے اپنے یہاں کچھ وقت گزارنے کی دعوت دیتے ہوئے آمد و رفت کا ایسا ٹکٹ ارسال فرمایا کہ واپسی براہِ جدہ تھی، یعنی اسی سفر میں حج کی سعادت بھی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اللہ مولانا کو ہر دو عالم میں جزائے خیر سے نوازے، یہ سعادت حاصل ہوئی۔ یہ دسمبر ۱۹۷۵ء تھا۔ ۱۹۷۶ء سے سکونت ہی برطانیہ میں ہوگئی۔ مگر حالات کی نامساعدت کہیے یا بے توفیقی کہ اس کے بعد اپنی طرف سے کوئی کوشش اس ارضِ مقدس کی زیارت کے لیے عمل میں نہ آئی، خواہش البتہ رہی اور بڑھتی رہی، حتیٰ کہ گزشتہ سال توفیق شامل حال ہوئی اور عمرے کے ارادہ کا ''احرام'' باندھ لیا، مگر اس سال یہ سعادت مقدر نہ نکلی۔ ویزا کے حصول کا مرحلہ اتنا دیر طلب ہوا کہ ارادہ کو آئندہ سال پر محول کرنا ناگزیر ہوگیا۔ کرم اُس گھر والے کا کہ زندگی نے ساتھ دیا اور امسال ۱۰ تا ۱۸ ؍جنوری (۲۰۱۶ء) میں یہ ایک دیرینہ آرزو بر آنے کی سبیل بنی۔ رفاقت سفر کا قرعہ برادر زادۂ عزیز ہارون نعمانی کے نام پڑا۔ اور حسنِ اتفاق کہ نعمانی برادر زادگان میں سب سے بڑے، شمعون نعمانی، جو مدت سے مدینۂ منورہ کی سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں اور اپنی بھانجی کی شادی کے سلسلہ میں لکھنؤ آئے ہوئے تھے وہ بھی اسی (لکھنؤ۔ جدہ) سعودی فلائٹ سے ہم سفر (بلکہ جدہ تک) امیر قافلہ ہوگئے۔

فلائٹ لکھنؤ سے چار بجے دن کو چل کر بفضل خدا ۱۰ ؍بجے جدہ میں بسلامت اتری۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے عام مسافروں اور عمرہ کے مسافروں میں تفریق کردی جاتی ہے۔ پس شمعون سلمہ یہاں سے جدا ہوگئے اور اگلے مراحل، کسٹم وغیرہ، اب ہم میاں ہارون سلمہ کی رہنمائی میں طے کرتے ہوئے، جو اپنے حج کے بعد ابھی ایک دو سال پہلے عمرہ بھی کر چکے تھے اور واقف راہ و منزل تھے، عازمِ مکہ ہوئے۔ اس کے لیے جدہ سے بس لینا تھی۔ بس اسٹیشن پر پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ میاں شمعون موجود ہیں جبکہ ہم سمجھ رہے تھے کہ ان سے ملاقات اب مدینۂ منورہ ہی میں ہوگی۔ وہ ہم سے جدا ہو کر جدہ میں مقیم اپنی بہن (عالیہ سلمہا) کے گھر چلے گئے تھے اور وہاں سے بہنوئی (ذیشان سلمہ) کو لے کر جدہ کے بس اسٹاپ پر آگئے تا کہ مکہ معظّمہ کا ہمارا سفر کار سے ہو۔ دل سے دعا نکلی کی عزیز بچوں نے کیسی راحت کا سامان

کر دیا۔لیکن یہ لوگ اس ارادہ سے آئے تھے کہ ہم پہلے عالیہ و ذیشان کے گھر جائیں اور وہاں کچھ ستا کے عازم بیت اللہ ہوں۔ارادہ بے شک بڑا سعادتمندانہ تھا،مگر اپنے لیے آزمائش ہوگئی۔چالیس برس کے بعد اُس گھر کے لیے نکلنے کی توفیق پائی تھی جسے اللہ نے لوگوں کے لیے پروانہ وار لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ (مَثَابَۃً لِلنَّاس) فرمایا ہے، پھر بھی آستاں بوسی سے پہلے کسی اور گھر میں ستانے کو جا اُتریں! چنانچہ ہم نے ان کا یہ نیک ارادہ جاننے کے بعد معذوری ظاہر کی کہ ہم کو سیدھے مکہ مکرمہ جانا ہے۔لیکن وہ دونوں یہ پروگرام بنا کر آئے تھے کہ ہمیں گھر لے جائیں گے اور گھر سے ابن ذیشان، فرحان سلمہ، ہمیں لے کر مکہ مکرمہ جائیں گے۔پس گھر جانا تو ناگزیر ہوا جس نے آزمائش دوآتشہ کر دی کہ وہاں عالیہ سلمہا ہمیں اپنے گھر خوش آمدید کہنے کو دروازہ پر کھڑی تھیں۔اب اللہ جانے ہم نے اچھا کیا یا برا، دل پتھر کر لیا اور دروازہ کے اندر قدم رکھنے کو تیار نہ ہوئے، جبکہ یہ بھتیجی جدہ کی ساکن ہو کر شاذ و نادر ہی مل پانے کی بنا پر ہمیں تو عزیز تر ہو ہی گئی ہے، خود اس کے لگاؤ کا حال بھی اس سے کمتر نہیں ہے۔آرزومند رہتی رہی ہے کہ کبھی تایا ابا کا بھی ادھر پھیرا ہو کیونکہ خاندان کے لوگوں کا سلسلہ کچھ نہ کچھ لگا ہی رہتا ہے۔

الغرض اس آزمائش سے گزر کر عالیہ کے دروازے ہی سے مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوگئی۔اب ہمیں فرحان سلمہ اپنی کار میں لے کر چلے تھے۔شب کے کوئی ڈیڑھ بجے منزلِ مقصود ہاتھ آئی، لیکن کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

حسرت پہ اس مسافرِ بیکس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

منزل پہ پہنچے تو یہ مسافر تھکن سے ایسا چور تھا کہ عمرہ کے ادائیگی تھوڑے آرام پر مؤخر کرنا پڑی۔ہوٹل میں اُتر کر کچھ کھا کر اور ایک دو گھنٹے آرام کر کے ہمت ہوئی کہ کم از کم طواف کر لیا جائے، پھر چاہے سعی صبح پر مؤخر ہو۔اور ایسا ہی ہوا۔سعئ صفا و مروہ صبح پر مؤخر ہوئی۔یہاں اس کم ہمت کو بتا دینا چاہیے کہ عمر کے ۸۸ سال اس نے پورے کر لیے ہیں اور طوارف و سعی میں کلیتاً نہیں تو جزوی طور پر وہیل چیئر کی مدد ناگزیر تھی۔طواف الحمد للہ ہوگیا۔زہے قسمت، زیارتِ بیت اللہ ایک بار پھر اس عاصی کے لیے مقدر تھی۔

نازم بچشمِ خویش کہ روئے تو دیدہ است

لیکن چالیس برس کے فاصلہ نے بڑا فرق اس وقت کے اور اُس وقت کے طواف کے درمیان کر دیا۔اِس دفعہ صحن مطاف میں تل دھرنے کی جگہ نہ پائی، سہ روزہ قیام میں تمام طواف بالائی منزل پر ہی کرنا پڑے، جبکہ اُس وقت موسم حج والا اژدہام ہونے کے باوجود سارے طواف صحنِ مطاف ہی میں میسر آئے تھے۔چالیس برس میں عالم اسلام کی آبادی بھی کچھ سے کچھ ہوگئی ہے اور لوگوں میں استطاعت بھی بحمد اللہ اضعافاً مضاعفہ۔اب وہاں شاید سال بھر یہی عالم رہتا ہے اور حج کا اژدہام تو پھر حج کا اژدہام۔

عالیہ سلمہا کے علاوہ ہمارے گھرانے کی ایک اور بیٹی (عالیہ اور ہارون کی خالہ زاد بہن اور میرے چچازاد کی بیٹی) بھی اس دیار میں عین سرزمین مکہ پر سکونت پائے ہوئے ہے۔ہمیں مکہ مکرمہ میں قیام کے لیے جو ہوٹل میسر آیا، جو ایک طرف نہایت اعلیٰ درجہ کا اور دوسری طرف عین حرم شریف سے لگا ہو، یہ کارنامہ اسی نسرین سلمہا کے بیٹے محمد مکی کا تھا جو اس ہوٹل کے اسٹاف میں ہیں۔ہم تو اس سطح کے ہوٹل میں قیام کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے مگر مکی سلمہ کی بدولت اللہ عم نوالہ نے اس شاندار

ہوٹل میں تین دن قیام کی سہولت عطا فرمائی۔ اور مکی جو بالکل ہی سادہ عام مؤمنانہ وضع میں رہتے ہیں، اللہ نے ایسا رسوخ انھیں اس ۲۸ منزلہ ہوٹل میں بخشا ہے کہ کمرہ انھی کے نام پر بک ہوا اور مدینہ کے لیے رخصت ہوتے وقت جب کمرہ چھوڑا گیا تو مکی ہارون سلمہ کو لے کر بل کی ادائیگی کو چلے اور واپسی پر جو ادائیگی ہارون میاں نے بتائی، وہ کسی کم سے کم معیار کے ہوٹل میں بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے لیے صحیح لفظ ''ایک غریبا مئوبل'' ہوسکتا ہے۔ مکی کو تو دعا ملنی ہی چاہیے، ہوٹل کی انتظامیہ کی شرافت کے لیے بھی جو کچھ کہا جائے کم ہے۔ ہوٹل مغربی مگر برتاؤ عرب سرزمین پر بالکل عربی اور مشرقی۔

ہم اتوار اور دوشنبہ کی درمیان شب میں مکہ مکرمہ پہنچے تھے اور اگلے اتوار ہی تک کا وقت ہمارے پاس تھا۔ خود میرے اپنے پاس تو وقت ہی وقت تھا، مگر عزیزی ہارون نے محض میری خاطر اپنی کاروباری مصروفیت سے وقت نکالا تھا جس کے لیے ایک ہفتہ ہی بہت تھا۔ بہر حال ہمیں اتوار کو واپس ہو جانا تھا، پس مدینہ منورہ کے لیے بدھ کو روانگی کا پروگرام بنا کہ شب میں وہاں پہنچ جائیں اور جمعہ کی شام تک رہ کر مکہ مکرمہ کو واپسی ہو اور ہفتہ کے دن ایک عمرہ کی اور سعادت حاصل کر کے جدہ کی راہ لے لیں جہاں ہفتہ اتوار کی درمیانی شب عالیہ سلمہا کے گھر گزار کر اس سفر کا آخری ''رکن'' ادا کر دیا جائے۔ مغرب کے قریب مدینۂ منورہ کے لیے بذریعۂ ٹیکسی روانگی ہوئی۔ پانچ چھ گھنٹے کی مسافت تھی۔ کوئی گیارہ بجے اس شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخلہ کی عزت پائی جسے اس زمین کا آسماں کہیے۔ عزیزی شمعون نے وہاں ہم لوگوں کی خواہش کے مطابق مسجدِ نبوی کے بالکل قریب ایک ہوٹل میں کمرہ بک کرایا تھا مگر وہاں بیسیوں ہوٹلوں کے ہوتے ہوئے رش کا یہ عالم تھا کہ کمرہ صرف اگلی دوپہر تک کے لیے ملا۔ تاہم اتنے وقت کے لیے بھی یہ قربت میسر آنی بڑی چیز تھی، مگر افسوس کہ جیسا فائدہ اس قرب سے اُٹھایا جاسکتا تھا، یہ عمر رسیدہ ہڈیاں اس کی متحمل نہ ہو پائیں۔ مزید برآں پروانوں کے ہجوم کا وہ عالم کہ روضۂ مقدسہ کی جالی کے قریب ہو کر عرضِ سلام کا موقع بھی ایک ہی بار مل سکا۔ بعد ازاں تو دور ہی سے رسمِ سلام ادا ہوئی۔ اور ریاض الجنۃ میں قدم رکھنے کی سعادت تو کجا، اس کی دید سے بھی آنکھیں شاد کام نہ ہوسکیں۔ مگر شکر کہ سلام کے لیے جالی (مواجہہ شریف) پر حاضری میسر فرما دی گئی، ورنہ احساسِ محرومی نے کہیں کا نہ رکھا ہوتا۔ اگرچہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے محروم لوٹنے کا سوال کہاں؟ طوافِ کعبہ کے لیے میرے جیسے جانے والوں سے بیشک کہا جاسکتا ہے کہ ''برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی؟'' (کس منہ سے طواف کو آئے ہو؟) مگر رسول اللہ کی ردائے رحمت میں تو عبداللہ بن اُبی جیسے سردارِ منافقین کے لیے بھی وہ گنجائش تھی کہ زمین وآسمان حیرت سے تکیں۔

اور لیجیے حرمِ مکی کے بعد حرمِ مدنی (مسجد نبوی) زادہُ اللہ تعظیماً وّتکریماً میں جس تبدیلی سے آنکھیں چار ہوئیں، اس کے بیان کے لیے تو الفاظ اپنے پاس نہیں، مختصر کہیے کہ بقعۂ نور بنا دیا گیا ہے۔ جدھر کو نگاہ اُٹھتی ہے ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست'' کا مضمون بنتا ہے۔ پھر اس پر وسعت، کہ ہر چہار سمت کا کنارہ ڈھونڈتے نگاہ تھک جائے۔ یاد آتا ہے کہ توسیع کے اس کام کی بنا اس وقت پڑ رہی تھی جب چالیس برس پہلے حاضری ہوئی تھی۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر مکمل ہوگئی۔ یہاں توسیع اور تزئین وآرائش پر جو بے اندازہ دولت خرچ ہوئی ہوگی، اس کا خیال کر کے ایک بار پھر شاہانِ سعود کے لیے دعا گوئی کا جذبہ اُبھرتا ہے۔ اور دعا ہے کہ اللہ ان کو بقدرِ اخلاص پوری پوری جزا اپنی شانِ کریمی کے مطابق دے۔ لیکن ایک بات دونوں جگہ (حرمِ مکی اور مدنی) کھٹکی، کہ اس توسیع اور تزئین کا کام جن شاہانِ سعود کے ہاتھوں ہوا ہے، دونوں جگہ ان کے نام نمایاں کیے جانے کا اہتمام رہا۔ یہ دو بالخصوص ملک فہد اور ملک عبداللہ تھے۔ ہر دو

حرمین میں داخلہ کے دروازے ان کے نام سے بڑے جلی طور پر موسوم ہوئے ہیں، بابُ ملک فہد۔ باب ملک عبداللہ۔ جبکہ ان مقامات پر تو حق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ساتھیوں اور جانشینوں کا تھا۔ بابُ سیدنا ابو بکر الصدیقؓ ہوتا، بابُ سیدنا عمر بن الخطابؓ ہوتا، باب سیدنا عثمان بن عفانؓ ہوتا اور بابُ سیدنا علی المرتضیٰ ہو۔ ہاں کسی جگہ تختی لگی ہوتی تو مضائقہ نہ تھا کہ اس توسیع وتزئین کی خدمت فلاں اور فلاں خادم حرمین کے ہاتھوں انجام پائی۔ اور افسوس کہ یہ تکدر یہیں نہیں رکتا۔ مدینہ منورہ سے لوٹتے میں سڑکوں کے ناموں پر نظر گئی تو بصد رنج دیکھا کہ ابو بکرِ صدیقؓ اور عمر الفاروقؓ کے مقدس ناموں کو طریق ابوبکر اور طریق عمر بن الخطاب کر کے سڑکوں کے ناکوں پہ ٹانگ دیا ہے۔ کیسے کہا جائے اور کیسے نہ کہا جائے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

جی ہاں، تو جمعرات کی ظہر آ گئی جس تک کے لیے مسجد کے قریب ہوٹل کا کمرہ بک تھا اور ''حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد'' کے مصداق ظہر مسجد نبوی میں پڑھ کر کمرہ خالی کر دیا گیا اور میاں شمعون اپنی گاڑی لے کر ہمیں دوسرے ٹھکانے پر لے جانے کے لیے آ گئے۔ یہ ماشاء اللہ بڑا وسیع آرام دہ مکان تھا، البتہ مسجد شریف سے فاصلہ پر۔ میاں شمعون کے دوست جناب سلیمان ظفر صاحب فقط اپنے صاحبزادہ کے ساتھ اس کے مکین تھے۔ اس کے زیادہ آرام دہ ہونے ہی کی وجہ سے شمعون سلمہ نے اس کا انتخاب کیا اور واقعی بہت آرام دہ رہا۔ پھر صاحب خانہ کا حسن اخلاق اور مخلصانہ پذیرائی اس پر مستزاد۔ خدا ہر طرح کی برکتوں سے نوازے کہ زائرین شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پذیرائی کو سعادت جانا۔ وہاں سے عصر کے لیے تو حرمِ نبوی جانے کا موقع نہ تھا، مغرب عشاء الحمد للہ وہیں میسر آ گئی۔ پھر جمعہ کی فجر حرمِ نبوی میں ادا کر کے شمعون اور ہارون سلمہما نے توجہ دلائی کی جنۃ البقیع کی زیارت کی جائے۔ اسے پایا کہ یہ تو چالیس سال پہلے کے مقابلہ میں کلیتاً بدل گئی ہے۔ قبریں نہیں رہیں۔ ہر قبر کے سرہانے ایک پتھر گاڑ کر قبر کا نشان کر دیا گیا ہے اور ان کی تعداد بے شمار۔ پھر وہاں جانے کے ڈھلوان راستہ کی دونوں طرف سے حد بندی کر دی گئی ہے۔ نیز بس فجر کے بعد ہی کچھ وقت کے لیے یہ قبرستان کھولا جاتا ہے۔ بظاہر یہ وجہ تھی کہ راستہ زائرین کے لیے لحظہ بہ لحظہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک کشمکش کی صورت تھی۔ اسی میں ہارون سلمہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تھا اور میں جب تن تنہا جدوجہد کرتا ہوا اوپر قبرستان کے سطح کے قریب ہونے کو ہوا، تب تو تنگی کی وہ کیفیت ہوئی کہ بس دم گھٹ جائے گا، مگر اللہ نے دستگیری فرمائی اور پہرے پر متعین ایک شرطی نے اپنی طرف بڑھا ہوا میرا ہاتھ تھام کے اوپر آ جانے کا سہارا مجھے دے دیا۔ فللہ الحمد۔ ضرورت ہے کہ سعودی حکام کو اس طرف توجہ دلائی جائے کہ زیارتِ بقیع کے لیے وقت بڑھایا جانا چاہیے۔

اس زیارت کے بعد بخیر واپسی ہوئی تو ضرورت تھی کہ کچھ ٹانک ملے۔ شمعون سلمہ جن کے پاس وہیل چیئر تھی، انھوں نے جلد ہی اندازہ کر کے کہ وہ اس بھیڑ میں پار نہ ہو سکیں گے، واپسی اختیار کر لی تھی اور پیچھے جو کھجوریں بیچنے والے اس عرصہ میں آ گئے تھے، ان سے ایک ڈبہ خرید لیا تھا۔ وہ اس ضرورت کے وقت بہترین ٹانک بن گیا۔ نہایت نفیس رسیلی کھجوریں تھیں۔ تازہ دم کر دیا اور ہمت ہوئی کہ قبا چل کر مسجد ''اُسِّسَ علیٰ التقویٰ مِنْ اوّلِ یومٍ'' میں دو رکعت نماز کے فضیلت حاصل کریں اور شہدائے اُحد کی بھی زیارت سے ان شہیدانِ راہِ خدا کی یاد تازہ کی جائے۔ اللہ نے یہ ارادہ بھی

اپنے کرم سے پورا کرادیا۔ اللہ ان شہدائے کرام کے درجے بڑھائے اور اس مسجد کی عظمت ورونق۔ یہ خاصا لمبا پروگرام تھا۔ واپس قیام گاہ پر آئے، کچھ ستائے اور پھر جمعہ کی نماز کے لیے مسجد نبوی، مگر بڑا افسوس رہے گا کہ اپنے بعض اعذار کی مجبوری سے نماز کے لیے نکلنے میں دیر ہوئی اور بہت پچھلی صفوں میں جگہ مل سکی۔ افسوس اپنی جگہ مگر تسلی بھی تھی کہ

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مجمع غالباً جمعہ کی وجہ سے اتنا تھا کہ مسجد سے باہر بھی صفیں بنیں۔ ہم بہرحال اندر تھے۔

لیجیے ایک جمعہ بھی خانہ کعبہ کے بعد کے درجہ کی اس مسجد نبی اُمی میں نصیب ہوگیا۔ اس سے کیا زیادہ ایک نالائق کو چاہیے؟ اب تیاری واپسی کے سفر کی ہے۔ قیام گاہ پر پہنچے، کھانا کھایا اور اگلے سفر کی تیاری میں کچھ دیر کے لیے لیٹنا اور سو لینا ضروری ہوا۔ عصر پڑھ کر لیٹ رہے۔ مغرب سے فراغت کر کے ایک ٹیکسی مکہ مکرمہ کے لیے لی اور ایک بار پھر دربارِ الٰہی میں حاضری کو چل دیے۔ راستے میں مسجد میقات پر رک کر احرام باندھا، عشاء کی نماز سے فراغت کی اور اب سفر تلبیہ کے ساتھ حالت احرام میں شروع ہوا۔ عزیزم محمد مکی کو اطلاع دی جا چکی تھی اور انھوں نے پھر اپنے ہوٹل میں کمرہ بک کرالیا تھا۔ اور اس دفعہ ہوٹل نے ہمیں اپنا مہمان بنالیا تھا، یعنی نام کو بھی کچھ لینا دینا نہ تھا۔ ایک طرف اپنی گناہوں بھری زندگی تھی اور ایک طرف مالک کے گھر میں یہ پذیرائی کی جیسی باتیں! ایک معمہ تھا سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

خدا نہ کرے کہ آزمائش رہی ہو۔

مکہ مکرمہ میں عمرہ کرنے بعد پروگرام چونکہ سیدھے جدہ جانے کا تھا، اس لیے فرحان (ابن ذیشان) سلمہ پیشوائی کے لیے مع کچھ ماحضر پہنچے ہوئے تھے۔ معدہ کی ضیافت کی، کچھ دیر آرام کیا اور فجر ہوگئی۔ میرا تو جی آرام کو چاہتا تھا مگر ہارون سلمہ نے تھوڑا سا چائے پانی کر کے جب کہا کہ چلیں عمرہ کرلیں تو عذر کرنے کو جی نہ چاہا۔ پس نو بجے کے اندر یہ فریضہ بھی ادا ہوگیا۔ اور پھر ناشتہ کر کے جو ہوٹل کی طرف سے بڑے شاندار پیمانے پر ہوتا تھا، اس سفر کے آخری ''رُکن'' (یعنی ایک شب عالیہ سلمہا کے گھر گزارنا) کی ادائیگی کے لیے جدہ کو چل پڑے۔ مگر افسوس رہے گا کہ یہ ادائیگی بس نام کی ہوئی۔ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت گلے میں کچھ خراش شروع ہوئی تھی، عمرہ کی ادائیگی تک تو وہ دبی رہی مگر اس کے بعد جیسے اسے آزادی مل گئی۔ جدہ پہنچتے پہنچتے اس نے کافی پر پرزے نکال لیے۔ اور دوسرے صبح تک سینہ پر نزلہ کی تکلیف نے پوری شدت اختیار کرلی جبکہ اسی صبح کو لکھنؤ کا سفر بھی کرنا۔ اسی حال میں ایرپورٹ پہنچے۔ مگر وہاں پتہ چلا کہ ہم لیٹ ہوگئے، پس گھر واپس جانا ہے۔ بہت گرانی ہوا۔ مگر بعد میں پتہ چلا کہ اس میں اس گنہگار کے لیے بھلائی تھی۔ طبیعت کی خرابی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی اور اس کی بنا پر ضرورت تھی کہ ڈاکٹر سے رابطہ ہو۔ سفر ملتوی ہوجانے کی بنا پر جدہ ہی میں یہ کام ہوگیا اور پتہ چلا کہ نزلہ کا معاملہ تو اتنا نہ تھا، بلڈ پریشر تھا جو خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا۔ اس کے بعد ضرورت تھی کہ سفر ختم ہو تو پوری طرح آرام وراحت کی جگہ ملے۔ اس کا انتظام اس طور پر ہوا کہ اگلے دن کے لیے لکھنؤ کی سیٹ بہت مہنگے داموں مل رہی تھی اور اس کا بدل یہ تھا کہ جدہ سے لکھنؤ کا سفر براستہ دلّی کیا جائے۔ چنانچہ اس کو اختیار کیا گیا اور اس کے نتیجہ میں اللہ نے مجھے دلی پہنچانے کا انتظام کردیا، جو میرے اس حال میں میرے لیے بہترین نتظام تھا کہ دلّی بڑے بیٹے عبید سلمہ کا گھر ہونے کی وجہ سے میرا گھر اور علاج کی بھی بہترین سہولت گویا دروازہ ہی پر میسر۔